ہر دَور کے مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ :

اہل سنت والجماعت کا اجماعی اور بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے اپنے عرش پر بلند ہے، ہر جگہ موجود نہیں۔ یہ عقیدہ ہر دَور کے مسلمانوں کا بنیادی نظریہ رہا ہے۔

❁ امامِ کبیر، حافظ، ابو عمر، طلمنکی رحمہ اللہ (م : 429ھ) فرماتے ہیں :

أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ عَلٰى حَقِيقَتِهٖ، لَا عَلَى الْمَجَازِ.

''اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ یہ استوا حقیقی ہے، مجازی نہیں۔'' (اجتماع الجيوش الإسلامية لابن القيّم : 142/2)

❁ شیخ الاسلام، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں :

اَلْقَوْلُ بِأَنَّ اللّٰهَ فَوْقَ الْعَرْشِ؛ هُوَ مِمَّا اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ الْأَنْبِيَاءُ كُلُّهُمْ، وَذُكِرَ فِي كُلِّ كِتَابٍ أُنْزِلَ عَلٰى كُلِّ نَبِيٍّ أُرْسِلَ، وَقَدِ اتَّفَقَ عَلٰى ذٰلِكَ سَلَفُ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّتُهَا.

''اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا عقیدہ ایسا نظریہ ہے جس پر تمام کے تمام انبیا متفق تھے اور ہر مرسل نبی پر جو کتاب نازل ہوئی، اس میں یہ نظریہ موجود تھا۔ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے اسلاف اور ائمہ بھی اس پر متفق ہیں۔''

(بيان تلبيس الجهميّة في تأسيس بدعهم الكلاميّة المعروف به نقض التأسيس : 9/2)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ فَوْقَ عَرْشِهٖ كَمَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الصَّدْرُ الْأَوَّلُ، وَنَقَلَهٗ عَنْهُمُ الْأَئِمَّةُ.

''اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے،جیسا کہ صدرِاوّل کے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا اور ائمہ کرام نے اس اجماع کو نقل بھی کیا ہے۔'' (العلوّ لعليّ الغفّار، ص: 596)

اس کے برعکس ارسطو،افلاطون،فیثاغورث،ابن سینا،فارابی،ابوہُذَیل علاف معتزلی اور ابوعلی جبائی معتزلی کی روحانی اولاد کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔یہ عقیدہ و نظریہ قرآن و حدیث اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

فطري نظريه :

اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات سے بلند تسلیم کرنا فطری عقیدہ ہے،اسی لیے ہر مخلوق کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فطری طور پر یہ بات ڈال دی گئی ہے۔ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

چیونٹی کا نظریہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«خَرَجَ نَبِيٌّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ يَسْتَسْقِي، فَإِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَّافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: ارْجِعُوا، فَقَدِ اسْتُجِيبَ لَكُمْ مِّنْ أَجْلِ شَأْنِ النَّمْلَةِ.»

''ایک نبی (اپنی قوم کے ساتھ) اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے نکلے۔اچانک ان کے سامنے ایک چیونٹی آسمانوں کی طرف اپنی کچھ ٹانگیں اٹھائے ہوئے (بارش کی دُعا کر رہی) تھی۔نبی نے فرمایا: واپس لوٹ جاؤ،کیونکہ چیونٹی کے عمل کی وجہ سے

تمہاری دُعا قبول کر لی گئی ہے۔''(سنن الدارقطني : 1797، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 325/1، 326، وسندهٗ حسنٌ، واللّفظ لهٗ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو''صحیح'' کہا ہے۔

❀ اس کے راوی محمد بن عون''حسن الحدیث'' ہیں۔

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

رَجُلٌ مَّعْرُوفٌ .

''یہ جانے پہچانے محدث ہیں۔''(العلل ومعرفة الرجال : 211/2)

② امام ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں اپنی کتاب الثقات (411/7) میں ذکر کیا ہے۔

③ امام حاکم رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کی سند کو''صحیح'' قرار دے کر ان کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔

❀ محمد بن عون کے والد عون بن حکم بھی''ثقہ'' ہیں۔

① امام ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں اپنی کتاب الثقات (281/7) میں ذکر کیا ہے۔

② امام حاکم رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کی سند کو''صحیح'' قرار دے کر ان کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔

عون بن حکم رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے اور امام زہری رحمہ اللہ نے ابوسلمہ رحمہ اللہ سے سماع کی تصریح کی ہوئی ہے، لہٰذا سند''صحیح، متصل'' ہے۔

چیونٹی کا فطری طور پر یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں، بلکہ اپنی مخلوقات سے بلند ہے، اسی لیے تو وہ اپنی ٹانگیں آسمانوں کی طرف بلند کیے ہوئے بارش کی دُعا کر رہی تھی اور اس کی یہ دُعا اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول بھی فرما لی۔

سابقہ امتوں کے موحّدین کا نظریہ :

سابقہ امتوں کے موحدین کا یہی نظریہ وعقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستوی ہے، ہر جگہ نہیں۔اس کی بھی ایک مثال پیشِ خدمت ہے:

❀ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي بِرَائِحَةٍ طَيِّبَةٍ، فَقُلْتُ : مَا هَذِهِ الرَّائِحَةُ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ : هٰذِهِ مَاشِطَةُ بِنْتِ فِرْعَوْنَ كَانَتْ تُمَشِّطُهَا، فَوَقَعَ الْمُشْطُ مِنْ يَدِهَا، فَقَالَتْ : بِسْمِ اللّٰهِ، قَالَتِ ابْنَةُ فِرْعَوْنَ : أَبِي؟ قَالَتْ : رَبِّي وَرَبُّ أَبِيكِ، قَالَتْ : أَقُولُ لَهُ إِذًا، قَالَتْ : قُولِي لَهُ، قَالَ لَهَا : أَوَلَكِ رَبٌّ غَيْرِي؟ قَالَتْ : رَبِّي وَرَبُّكَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ .»

''جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں ایک پاکیزہ خوشبو کے پاس سے گزرا۔ میں نے کہا: جبریل! یہ خوشبو کیسی ہے؟انہوں نے بتایا کہ یہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت (اور اس کے بیٹے کی خوشبو ہے)۔وہ اسے کنگھی کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی۔اس نے کہا: بسم اللہ۔فرعون کی بیٹی نے کہا: (اللہ سے تمہاری مراد) میرے والد (ہیں)؟اس نے جواب دیا: (نہیں، بلکہ) میرا اور تمہارے والد کا ربّ۔اس نے کہا: تب تو میں اپنے والد کو بتاؤں گی۔اس نے کہا: بتا دینا۔(فرعون کو بتایا گیا،تو) اس نے کہا: کیا میرے علاوہ تمہارا کوئی ربّ ہے؟ اس نے جواب دیا: میرا اور تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں کے اوپر ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 310/1، مسند أبي يعلى الموصلي : 25/7، واللفظ لهٗ، الأحاديث المختارة للضياء المقدسي : 288، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان (2904) اور امام حاکم (496/2) رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا

ہے۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهُ لَا بَأْسَ بِهِ .

''اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں۔''(تفسير ابن كثير : 29/5، طبعة سلامة)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ نہ ہونے، بلکہ آسمانوں کے اوپر ہونے کا نظریہ ہر دَور کے موحدین کا متفقہ عقیدہ رہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ :

① سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ كَرِيمٌ، يَسْتَحْيِيْ، إِذَا رَفَعَ الْعَبْدُ يَدَيْهِ، أَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا، حَتّٰى يَضَعَ فِيهِمَا خَيْرًا .»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ حیا وکرم کا پیکر ہے۔جب بندہ (اس کی طرف بغرضِ دُعا) اپنے ہاتھوں کو اٹھاتا ہے،تو اسے انہیں خالی لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے،حتی کہ وہ انہیں خیر سے بھر دیتا ہے۔''

(أمـــالي المحاملي برواية ابن يحيى البيّع : 433، شرح السنّة للبغوي : 1385، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ . ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔''

مسلمانوں کو دُعا کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو آسمانوں کی طرف بلند کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے،جس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ اپنی مخلوقات سے بلند ہے۔

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ گرامی روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَلَائِكَةً سَيَّارَةً، فُضُلًا، يَتَتَبَّعُونَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا مَجْلِسًا فِيهِ ذِكْرٌ؛ قَعَدُوا مَعَهُمْ، وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِأَجْنِحَتِهِمْ، حَتّٰى يَمْلَئُوا مَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَإِذَا تَفَرَّقُوا؛ عَرَجُوا وَصَعِدُوا إِلَى السَّمَاءِ، [قَالَ :] فَيَسْأَلُهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ : مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟ فَيَقُولُونَ : جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادٍ لَّكَ فِي الْأَرْضِ، يُسَبِّحُونَكَ، وَيُكَبِّرُونَكَ، وَيُهَلِّلُونَكَ، وَيَحْمَدُونَكَ، وَيَسْأَلُونَكَ، قَالَ : وَمَاذَا يَسْأَلُونِي؟ قَالُوا : يَسْأَلُونَكَ جَنَّتَكَ، قَالَ : وَهَلْ رَّأَوْا جَنَّتِي؟ قَالُوا : لَا، أَيْ رَبِّ، قَالَ : فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتِي؟ قَالُوا : وَيَسْتَجِيرُونَكَ، قَالَ : وَمِمَّ يَسْتَجِيرُونَنِي؟ قَالُوا : مِنْ نَّارِكَ يَا رَبِّ، قَالَ : وَهَلْ رَّأَوْا نَارِي؟ قَالُوا : لَا، قَالَ : فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا نَارِي؟ قَالُوا : وَيَسْتَغْفِرُونَكَ، [قَالَ :] فَيَقُولُ : قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، فَأَعْطَيْتُهُمْ مَّا سَأَلُوا، وَأَجَرْتُهُمْ مِّمَّا اسْتَجَارُوا، [قَالَ :] فَيَقُولُونَ : رَبِّ، فِيهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ، إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ، [قَالَ :] فَيَقُولُ : وَلَهٗ غَفَرْتُ، هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ.»

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں، جو چلتے پھرتے رہتے ہیں اور خاص اسی مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ وہ ذکرِ الٰہی کی مجالس کو تلاش کریں۔ جب

وہ ذکر کی کسی محفل کو پا لیتے ہیں تو ذکر کرنے والوں کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔وہ ایک دوسرے کو اپنے پَروں سے یوں ڈھانپتے ہیں کہ آسمانِ دنیا تک کے خلا کو پُر کر دیتے ہیں۔جب وہ (محفل سے فارغ ہوکر) بکھرتے ہیں تو آسمانوں کی طرف چڑھتے اور بلند ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے،حالانکہ وہ اُن سے بہتر جانتا ہوتا ہے:تُم کہاں سے آئے ہو؟فرشتے جواب دیتے ہیں: ہم زمین میں موجود تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں۔وہ تیری تسبیح،تکبیر،تہلیل اورتحمید کرتے ہوئے تجھ سے کچھ مانگ رہے ہیں۔(پھر یوں مکالمہ ہوتا ہے:)

اللہ تعالیٰ: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے ہیں؟

فرشتے: وہ تجھ سے تیری جنت کا سوال کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ: کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے؟

فرشتے:نہیں،ہمارے ربّ۔

اللہ تعالیٰ: اگر وہ میری جنت دیکھ لیں تو ان کے اشتیاق کا کیا عالَم ہو؟

فرشتے: (ہمارے ربّ!)وہ تیری پناہ کے بھی طلب گار ہیں۔

اللہ تعالیٰ: وہ کس چیز سے میری پناہ چاہتے ہیں؟

فرشتے: ہمارے ربّ! تیری آگ سے۔

اللہ تعالیٰ: کیا انہوں نے میری آگ دیکھی ہے؟

فرشتے:نہیں۔

اللہ تعالیٰ: اگر وہ میری آگ دیکھ لیں تو ان کے ڈر کا کیا عالَم ہو؟

فرشتے: وہ تجھ سے مغفرت کے بھی سوالی ہیں۔

اللہ تعالیٰ: میں نے انہیں معاف بھی فرما دیا ہے، انہیں وہ کچھ عطا بھی فرما دیا

ہے، جو انہوں نے مانگا ہے اور انہیں اس چیز سے پناہ بھی دے دی ہے، جس سے انہوں نے میری پناہ طلب کی ہے۔

فرشتے: ہمارے ربّ! ان میں موجود فلاں بندہ تو گناہ گار تھا۔ وہ تو بس پاس سے گزرا اور ویسے ہی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اللہ تعالیٰ: میں نے اسے بھی معاف فرما دیا ہے، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں، جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا۔'' (صحیح مسلم: 2689)

اس حدیث سے بھی یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں، بلکہ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر بلند ہے۔ اسی لیے تو فرشتے مجالسِ ذکر میں شامل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کو رپورٹ پیش کرنے کے لیے آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔

③ سیدنا عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَقَالَ: «إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَأُحِبُّ أَنْ يَّصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ.»

''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے زوال کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعتیں ادا کرتے اور فرماتے: یہ ایسا وقت ہے جس میں آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور میری خواہش ہے کہ اس وقت میں میرا نیک عمل ہی اوپر چڑھے۔''

(سنن الترمذي: 478، وسندهٗ صحيحٌ متّصل)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن غریب'' قرار دیا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر جگہ مانا جائے تو اعمال کے آسمانوں کی طرف چڑھنے کے نبوی عقیدے کی تکذیب لازم آتی ہے۔

④ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اتَّقُوا دَعَوَاتِ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا تَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ، كَأَنَّهَا شَرَارٌ.»

''مظلوم کی بددعاؤں سے بچو، کیونکہ وہ آسمانوں کی طرف ایسے چڑھتی ہیں، گویا چنگاریاں ہوں۔'' (المستدرك على الصحيحين للحاكم: 29/1، وسندهٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قَدِ احْتَجَّ مُسْلِمٌ بِعَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، وَالْبَاقُونَ مِنْ رُوَاةِ هٰذَا الْحَدِيثِ مُتَّفَقٌ عَلَى الِاحْتِجَاجِ بِهِمْ.

''امام مسلم رحمہ اللہ نے عاصم بن کلیب کی حدیث سے دلیل لی ہے اور اس حدیث کے باقی راویوں کے قابل حجت ہونے پر اتفاق ہے۔''

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، تمام مخلوقات سے بلند نہیں تو بددُعا اوپر کیوں چڑھتی ہے؟

صحابہ کرام کا عقیدہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاقی عقیدہ تھا کہ ذاتِ باری تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے، ہر جگہ نہیں۔ایک دلیل ملاحظہ ہو:

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے:

يُنَادِي مُنَادٍ بَيْنَ يَدَيِ الصَّيْحَةِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ، [قَالَ:] فَسَمِعَهَا الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ، [قَالَ:] وَيَنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيُنَادِي مُنَادٍ: لِمَنِ الْمَلِكُ الْيَوْمَ؟ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ.

''صیحہ (قیامت بپا ہونے کے وقت سخت چیخ) سے پہلے ایک آواز لگانے والا پکارے گا: لوگو! قیامت تمہارے پاس آ پہنچی ہے۔اس آواز کو زندہ اور مُردہ سب لوگ سنیں گے۔اللہ عزوجل آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے۔پھر ایک

منادی یہ آواز لگائے گا: آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ واحد وقہار اللہ کے لیے۔''

(الأهوال لابن أبي الدنيا: 27، المستدرك على الصحيحين للحاكم: 437/2، وسندهٗ حسنٌ)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ نہیں، بلکہ آسمانوں کے اوپر مانتے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا کی طرف اُترنے کا عقیدہ رکھنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

تابعین عظام کا نظریہ :

اب کچھ مثالیں تابعین عظام کے عقیدے کی بھی ملاحظہ فرماتے جائیں :

① سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ، عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِنَّ اللّٰهَ بَدَأَ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْأَحَدِ، ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ .

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے مابین موجود چیزوں کی تخلیق اتوار کے دن شروع کی۔ پھر جمعہ کے دن عرش پر مستوی ہو گیا۔''

(تفسير ابن أبي حاتم: 1497/5، وسندهٗ حسنٌ)

② کعب احبار، تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمَّا خَلَقَ الْخَلْقَ؛ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ، فَسَبَّحَهُ يَعْنِي الْعَرْشَ .

''اللہ عزوجل نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو عرش پر مستوی ہو گیا۔عرش نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔'' (تفسير ابن أبي حاتم: 2217/7، وسندهٗ حسنٌ)

③ امام ربیعہ بن ابوعبد الرحمٰن (م: 136ھ) کے بارے میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

كُنْتُ عِنْدَ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَسَأَلَهٗ رَجُلٌ، فَقَالَ : ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾، كَيفَ اسْتَوٰى؟ فَقَالَ : اَلِاسْتِوَاءُ

غَيْرُ مَجْهُولٌ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَمِنَ اللّٰهِ الرِّسَالَةُ، وَعَلَى الرَّسُولِ الْبَلَاغُ، وَعَلَيْنَا التَّصْدِيقُ.

''میں ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن کے پاس تھا کہ ان سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا)۔ وہ کیسے مستوی ہوا؟ انہوں نے فرمایا: استوا معلوم ہے، البتہ اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اسے پہنچا دینا رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور تصدیق کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔''

(العلوّ للعليّ الغفّار للذهبي، ص: 129، وسندهٗ صحيحٌ)

④ امام ابوجعفر، محمد بن احمد بن نصر، ترمذی رحمہ اللہ (201-295ھ) سے ایک شخص نے سوال کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ (ہر رات) آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ تو نزول کے بعد علوّ (بلندی) کیسے باقی رہ جاتی ہے؟ اس پر امام موصوف نے فرمایا:

اَلنُّزُولُ مَعْقُولٌ، وَالْكَيْفُ مَجْهُولٌ، وَالْإِيمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ.

''نزولِ باری تعالیٰ معلوم ہے، جبکہ اس کی کیفیت نامعلوم ہے، لیکن اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔''

(تاريخ بغداد للخطيب: 382/1، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ باری تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے کا نظریہ باطل و مردود اور کتاب و سنت و اجماعِ امت سے بغاوت پر مبنی ہے۔ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

حلت وحرمت کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔وحی الٰہی کے ذریعے ہی کسی چیز کے حلال وحرام ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا کوئی معمولی سی بات نہیں کہ ہر کس و ناکس اس میں طبع آزمائی کرتا پھرے۔لیکن افسوس ہے کہ یہ معاملہ جس قدر حساس ہے،اُتنا ہی جاہل اور غیر سنجیدہ لوگوں کے ہتھے چڑھتا رہتا ہے۔

موجودہ دَور میں ایک خاص فکر کے حاملین دینی اُمور پر اُجرت کے مسئلے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔اُن جاہلوں کے نزدیک خواہ دَم پر اُجرت لی جائے،خواہ قرآنی و دینی تعلیم پر وظیفہ و معاوضہ قبول کیا جائے،سب ناجائز وحرام ہے۔

حالاں کہ قرآنِ کریم اور دینی اُمور پر اُجرت دوطرح سے ہوسکتی ہے :

① دَم کی اُجرت۔اس کے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے دینی اُمور پر اُجرت کو جائز قرار نہیں دیا،انہوں نے بھی دَم کی اُجرت کو جائز ہی قرار دیا۔کوئی جاہل اور معاند شخص ہی مسلمانوں کے اجماعی نظریے سے اختلاف کرسکتا ہے۔

② قرآنِ کریم کی تعلیم اور دیگر دینی اُمور پر اُجرت۔اسے اُمت میں سے صرف متقدمین احناف نے ناجائز قرار دیا،لیکن اُن کے گھر ہی سے اس فتوے کو ردّ کر دیا گیا۔خود بعد والے احناف نے اس شاذ فتوے کو (قیاس کے ذریعے) ردّ کرتے ہوئے دینی اُمور پر اُجرت کو جائز قرار دیا۔ یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ سے دینی اُمور پر اُجرت کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہے۔محض بعض احناف کا اس کی نسبت امام صاحب کی طرف کر دینا،اس کے ثبوت کی دلیل

نہیں ہے۔

یوں مسلمانوں کے نزدیک شرعی دلائل کی روشنی میں قرآنِ مجید کی تعلیم اور دینی اُمور پر اُجرت شرعاً جائز ہے۔اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص دینی تعلیم بغیر معاوضہ طے کیے فراہم کرے اور لوگ اپنی خوشی سے تحفۃً اس کی خدمت کریں،تو وہ اُجرت نہیں۔رسولِ اکرم ﷺ بھی مُعلّمِ کائنات تھے۔آپ ﷺ کو بھی تحفے پیش کیے جاتے تھے اور آپ ﷺ انہیں قبول فرمایا کرتے تھے۔ اسی لیے امتِ مسلمہ نے اجماعی طور پر ان تحائف کے جائز ہونے کا فیصلہ دیا ہے۔موجودہ دَور میں بھی اہل علم کی مالی خدمت اکثر اسی زمرے میں آتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ اس مسئلے کی تفصیلات سے جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بعض لوگ اہل علم کے ساتھ کسی بھی قسم کے مالی تعاون کو مطلقاً ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں، نیز اس کے جواز کے قائلین کو دین فروش،دوکان دار، وغیرہ کے بدالقاب سے ''نوازتے'' ہیں، حالاں کہ ان کے فتووں کی زَد میں سب سے پہلے پیغمبر اسلام ﷺ، پھر اسلافِ اُمت اور ہر دَور کے مسلمان آتے ہیں،جنہوں نے دَم کی اُجرت کو بھی جائز قرار دیا،دینی تعلیم کی اُجرت کے بھی جواز کا فتویٰ دیا اور دینی تعلیم وتربیت کی وجہ سے ملنے والے تحائف کو بھی قبول کیا۔

آیئے دینی اُمور پر اُجرت کے جواز پر وارد دلائل کو تفصیلی طور پر ملاحظہ فرمایئے:

(ا) موذی جانور کے ڈسنے پر دَم :

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

إِنَّ نَفَرًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ، فِيهِمْ لَدِيغٌ أَوْ سَلِيمٌ، فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْمَاءِ، فَقَالَ : هَلْ فِيكُمْ

مِنْ رَّاقٍ، إِنَّ فِي الْمَاءِ رَجُلًا لَّدِيغًا أَوْ سَلِيمًا، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ، فَبَرَأَ، فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلٰى أَصْحَابِهٖ، فَكَرِهُوا ذٰلِكَ، وَقَالُوا : أَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا، حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِينَةَ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا؛ كِتَابُ اللّٰهِ .»

''اصحابِ رسول کا گروہ ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے لوگوں کے پاس سے گزرا۔ان میں سے کسی شخص کو موذی جانور نے ڈس لیا تھا۔ان کا ایک آدمی صحابہ کرام کے پاس آیا اور پوچھا : کیا تم میں کوئی دَم کرنے والا ہے؟چشمے کے پاس پڑاؤ کرنے والوں میں ایک شخص کو کسی موذی جانور نے کاٹ لیا ہے۔ایک صحابی گئے اور بکریوں کے عوض سورۂ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا تو وہ شفایاب ہو گیا۔وہ بکریاں لے کر دوسرے صحابہ کے پاس آئے تو انہوں نے اس کام کو ناپسند کیا اور (اعتراض کرتے ہوئے) کہا : آپ نے قرآنِ کریم پر اُجرت لی ہے!حتی کہ جب وہ مدینہ منورہ واپس آئے تو رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا :اللہ کے رسول!اس شخص نے کتاب اللہ پر اُجرت لی ہے۔اس پر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا : جن چیزوں پر تمہارا اُجرت لینا جائز ہے، ان میں سب سے اولیٰ کتاب اللہ ہے۔''

(صحيح البخاري، كتاب الطبّ، باب الشرط في الرقية بقطيع من الغنم، رقم الحديث : 5737)

❀ اسی واقعے کو سیدنا ابوسعید،خدری رضی اللہ عنہ یوں بیان فرماتے ہیں :

إِنَّ نَاسًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَوْا عَلٰى حَيٍّ

مِّنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ، فَلَمْ يَقْرُوهُمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ، إِذْ لُدِغَ سَيِّدُ أُولٰئِكَ، فَقَالُوا : هَلْ مَعَكُمْ مِّنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ؟ فَقَالُوا : إِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُونَا، وَلَا نَفْعَلُ حَتّٰى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا، فَجَعَلُوا لَهُمْ قَطِيعًا مِّنَ الشَّاءِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَيَجْمَعُ بُزَاقَهٗ وَيَتْفِلُ، فَبَرَأَ، فَأَتَوْا بِالشَّاءِ، فَقَالُوا : لَا نَأْخُذُهٗ حَتّٰى نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلُوهُ، فَضَحِكَ وَقَالَ : «وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، خُذُوهَا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ .»

''صحابہ کرام کی جماعت عربوں کے ایک قبیلے کے پاس آئی تو انہوں نے مہمان نوازی نہ کی۔اسی اثنا میں ان کے سردار کو موذی جانور نے ڈس لیا۔وہ کہنے لگے : کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا دَم کرنے والا کوئی شخص ہے؟ صحابہ کرام نے کہا : تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی،ہم بھی اس وقت تک دَم نہیں کریں گے،جب تک تم ہماری اُجرت مقرر نہیں کرتے۔قبیلے والوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ مقرر کر دیا۔ایک صحابی سورۂ فاتحہ کی قراءت کرنے لگے اور اپنی تھوک جمع کر کے اسے پھونکنے لگے۔یوں وہ شخص شفایاب ہو گیا اور صحابہ کرام بکریاں لے آئے۔کچھ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم اس وقت تک یہ بکریاں نہیں لیں گے،جب تک نبی اکرم ﷺ سے پوچھ نہ لیں۔انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ہنس دیے اور (دَم کرنے والے صحابی سے) فرمایا : آپ کو کیسے معلوم تھا کہ سورۂ فاتحہ دَم ہے؟ بکریاں لے لو اور اُن سے میرا حصہ بھی نکالو۔''

(صحيح البخاري، كتاب الطبّ، باب الرقي بفاتحة الكتاب، رقم الحديث : 5736؛ صحيح

مسلم، کتاب السلام، باب أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن والأذكار، رقم الحديث :2201)

فقہائے اُمت اور مذکورہ حدیث :

① فقیہ الامت، امام بخاری رحمہ اللہ (194-256ھ) نے اس حدیث کو کتاب الإجارۃ (اُجرت کے بیان) اور کتاب الطبّ (علاج کے بیان) میں ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآنِ کریم اور دینی اُمور پر اُجرت لینا جائز ہے۔

❀ شارحِ صحیح بخاری، علامہ، ابوالحسن علی بن خلف، ابن بطال رحمہ اللہ (م:449ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأُجْرَةِ عَلَى الرُّقٰى وَعَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ، لِأَنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ مَنْفَعَةٌ، وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ : «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا؛ كِتَابُ اللّٰهِ» هُوَ عَامٌّ، يَدْخُلُ فِيهِ إِبَاحَةُ التَّعْلِيمِ وَغَيْرُهٗ .

''دَم کے معاوضے اور قرآنِ کریم کی تعلیم پر اُجرت میں کوئی فرق نہیں، کیوں کہ دونوں معاملات منفعت پر مبنی ہیں، نیز نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اُجرت لینے کے حوالے سے سب سے بہترین چیز کتاب اللہ ہے، یہ فرمان عام ہے اور اس میں تعلیم وغیرہ پر اُجرت کا جواز بھی شامل ہے۔''

(شرح صحيح البخاري : 406/6، مكتبة الرشد، الرياض، 2003ء)

❀ مشہور حنفی، علامہ، ابومحمد محمود بن احمد، عینی (762-855ھ) صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں :

مُطَابَقَتُهٗ لِلتَّرْجَمَةِ مِنْ حَيْثُ إِنَّ فِيهِ جَوَازَ أَخْذِ الْأُجْرَةِ لِقِرَائَةِ الْقُرْآنِ، وَلِلتَّعْلِيمِ أَيْضًا، وَلِلرُّقْيَا بِهٖ أَيْضًا لِّعُمُومِ اللَّفْظِ .

''اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح سے ہے کہ اس میں قرآنِ کریم پڑھ کر، اس کی تعلیم دے کر اور اس کا دَم کر کے اُجرت لینے کا جواز ہے، کیوں کہ حدیث کے الفاظ میں عموم ہے۔''

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري : 95/12، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

✿ علامہ محمد بن اسماعیل، امیر صنعانی رحمہ اللہ (1099-1182ھ) لکھتے ہیں:

وَذِكْرُ الْبُخَارِيِّ لِهٰذِهِ الْقِصَّةِ فِي هٰذَا الْبَابِ، وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ مِّنَ الْأُجْرَةِ عَلَى التَّعْلِيمِ، وَإِنَّمَا فِيهَا دَلَالَةٌ عَلٰى جَوَازِ أَخْذِ الْعِوَضِ فِي مُقَابَلَةِ قِرَائَةِ الْقُرْآنِ، لِتَأْيِيدِ جَوَازِ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلٰى قِرَائَةِ الْقُرْآنِ تَعْلِيمًا أَوْ غَيْرَهٗ، إِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَ قِرَاءَتِهٖ لِلتَّعْلِيمِ وَقِرَائَتِهٖ لِلطِّبِّ.

''امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قصہ کو قرآنِ کریم پر اُجرت کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اس حدیث میں تعلیم پر اُجرت کا بیان نہیں ہوا، لیکن اس میں قرآنِ کریم پڑھنے کے بدلے معاوضہ لینے کا ذکر ضرور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیم یا کسی دوسرے مقصد (علاج) کے لیے قرآنِ کریم کی قراءت پر اُجرت جائز قرار دینے کے لیے اس حدیث کو بیان کیا ہے، کیوں کہ تعلیم یا علاج کے لیے قرآنِ کریم پڑھنے میں کوئی فرق نہیں۔''(سبل السلام في شرح بلوغ المرام : 117/2، دار الحديث)

② اہل سنت کے سرتاج، امام شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) سے نقل کرتے ہوئے امام ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) لکھتے ہیں:

وَرَخَّصَ الشَّافِعِيُّ لِلْمُعَلِّمِ أَنْ يَّأْخُذَ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ أَجْرًا، وَيَرٰى لَهٗ أَنْ يَّشْتَرِطَ عَلٰى ذٰلِكَ، وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ.

''امام شافعی رحمہ اللہ نے مُعلّم کے لیے رخصت دی ہے کہ وہ قرآنِ کریم کی تعلیم کے عوض اجرت لے سکتا ہے۔وہ اس کے لیے (پیشگی) طے کرنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے اسی حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 2063)

③ فقیہ ومحدث،حافظ،ابوسلیمان،حمد بن محمد،خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) لکھتے ہیں :

وَفِي هٰذَا بَيَانُ جَوَازِ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ، وَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ حَرَامًا لَّأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَدِّ الْقَطِيعِ، فَلَمَّا صَوَّبَ فِعْلَهُمْ، وَقَالَ لَهُمْ : أَحْسَنْتُمْ، وَرَضِيَ الْأُجْرَةَ الَّتِي أَخَذُوهَا لِنَفْسِهٖ، فَقَالَ : اضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ ثَبَتَ أَنَّهٗ طِلْقٌ مُبَاحٌ .

''اس حدیث میں قرآنِ کریم کی تعلیم پر اُجرت لینے کا جواز بیان ہوا ہے۔اگر یہ حرام ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو یہ بکریاں واپس کرنے کا حکم فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو درست قرار دیا اور فرمایا کہ تم نے اچھا کیا ہے، نیز اس اُجرت کو بھی پسند فرمایا جو انہوں نے لی تھی،مزید یہ بھی فرمایا کہ اپنے ساتھ میرا حصہ بھی نکالو،تو ان سب باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دینی اُمور پر اُجرت بہرصورت جائز ہے۔''(معالم السنن : 101/3، المطبعة العلميّة، حلب، 1932ء)

④ امام ابن حبان رحمہ اللہ (م : 354ھ) نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے :

ذِكْرُ الْإِخْبَارِ عَنْ إِبَاحَةِ الْمَرْءِ الْأُجْرَةَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا .

''کتاب اللہ پر اُجرت لینے کے جواز پر دلالت کرنے والی حدیث کا بیان۔''

(صحيح ابن حبّان : 546/11، قبل الحديث : 5146، مؤسّسة الرسالة، بيروت، 1993ء)

⑤ حافظ،علی بن احمد بن سعید،ابن حزم رحمہ اللہ (384-456ھ) فرماتے ہیں:

وَالْإِجَارَةُ جَائِزَةٌ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ، وَعَلٰى تَعْلِيمِ الْعِلْمِ، مُشَاهَرَةً وَّجُمْلَةً، وَكُلُّ ذٰلِكَ جَائِزٌ، وَعَلَى الرَّقْيِ، وَعَلٰى نَسْخِ الْمَصَاحِفِ، وَنَسْخِ كُتُبِ الْعِلْمِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْتِ فِي النَّهْيِ عَنْ ذٰلِكَ نَصٌّ، بَلْ قَدْ جَائَتِ الْإِبَاحَةُ، كَمَا رُوِّينَا مِنْ طَرِيقِ الْبُخَارِيِّ .

''قرآنِ کریم اور حدیث کی تعلیم پر ماہانہ یا یک مشت اُجرت لینا سب جائز ہے۔ نیز دَم کرنے،مصاحف (قرآنِ کریم) لکھنے اور کتبِ احادیث کی کتابت کرنے کی اُجرت بھی جائز ہے،کیوں کہ اس سے ممانعت کی کوئی دلیل (وحیِ الٰہی میں) وارد نہیں ہوئی۔اس کے برعکس اس کا جواز ثابت ہے،جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی سند سے ہمیں بیان کیا گیا ہے۔''(المحلّٰی بالآثار : 18/7، دار الفکر، بیروت)

⑥ امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) کی باب بندی کے الفاظ یہ ہیں:

بَابُ أَخْذِ الْأَجْرِ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى .

''کتاب اللہ پر اُجرت لینے کا بیان۔''

(السنن الکبرٰی : 397/7، دار الکتب العلمیّة، بیروت، 2003ء)

۞ نیز ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

بَابُ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالرُّقْيَةِ بِهٖ .

''قرآنِ کریم کی تعلیم اور دَم پر اُجرت لینے کا بیان۔''(أیضًا : 205/6)

⑦ حافظ،ابومحمد،حسین بن مسعود،بغوی رحمہ اللہ (م : 516ھ) فرماتے ہیں:

فِي الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ،

وَجَوَازِ شَرْطِهِ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ عَطَاءٌ، وَالْحَكَمِ، وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَبُو ثَوْرٍ، قَالَ الْحَكَمُ : مَا سَمِعْتُ فَقِيهًا يَكْرَهُهُ، وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ الرُّقْيَةِ بِالْقُرْآنِ، وَبِذِكْرِ اللّٰه، وَأَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلَيْهِ .

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ قرآنِ کریم کی تعلیم پر اُجرت لینا اور اسے طے کرنا جائز ہے۔امام عطاء بن ابو رباح اور امام حَکَم بن عُتَیْبَہ کا یہی مذہب ہے۔امام مالک،امام شافعی اور ابوثور رحمہم اللہ یہی فرماتے ہیں۔امام حکم تو فرماتے ہیں : میں نے کسی بھی فقیہ کو دینی اُمور پر اُجرت کومکروہ کہتے نہیں سنا۔اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ قرآنِ کریم اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ دَم کیا جا سکتا ہے اور اس پر اُجرت لینا بھی جائز ہے۔''(شرح السنّة : 268/8، المكتب الإسلامي، بيروت، 1983ء)

⑧ شارحِ صحیح مسلم،حافظ،ابو زکریا،یحیٰی بن شرف،نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «خُذُوا مِنْهُمْ، وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ مَّعَكُمْ» هٰذَا تَصْرِيحٌ بِجَوَازِ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلَى الرُّقْيَةِ بِالْفَاتِحَةِ وَالذِّكْرِ، وَأَنَّهَا حَلَالٌ، لَا كَرَاهَةَ فِيهَا، وَكَذَا الْأُجْرَةُ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ، وَهٰذَا مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ، وَمَالِكٍ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَأَبِي ثَوْرٍ، وَآخَرِينَ مِنَ السَّلَفِ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، وَمَنَعَهَا أَبُو حَنِيفَةَ فِي تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ، وَأَجَازَهَا فِي الرُّقْيَةِ .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اُن سے بکریاں لے لو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ نکالو،اس بات میں صریح ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ذکرِ الٰہی کے ذریعے دَم کرنے کی

اُجرت لینا جائز وحلال ہے،اس میں کوئی کراہت نہیں۔یہی حکم قرآنِ کریم کی تعلیم کا بھی ہے۔امام شافعی،امام مالک،امام احمد،امام اسحاق (بن راہویہ)،امام ابوثور، دیگر اسلاف اور بعد میں آنے والے اہل علم کا یہی مذہب تھا۔ہاں،امام ابوحنیفہ نے قرآنِ کریم کی تعلیم پر اُجرت سے منع کیا ہے،البتہ دَم پر اُجرت کی انہوں نے بھی اجازت دی ہے۔''

(المنهاج شرح مسلم بن الحجّاج : 188/14، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1392هـ)

⑨ مشہور مفسر،علامہ،ابوعبداللہ،محمد بن احمد،قرطبی رحمہ اللہ (600-671ھ) لکھتے ہیں :

وَأَجَازَ أَخْذَ الْأُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ مَالِكٌ وَّالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَأَبُو ثَوْرٍ وَّأَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ، لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ ـ حَدِيثِ الرُّقْيَةِ ـ : «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ»، أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَهُوَ نَصٌّ يَّرْفَعُ الْخِلَافَ، فَيَنْبَغِي أَنْ يُّعَوَّلَ عَلَيْهِ .

''قرآنی تعلیم پر اُجرت لینے کو امام مالک،شافعی،احمد بن حنبل،ابوثور اور اکثر علما جائز قرار دیتے ہیں،کیوں کہ صحیح بخاری میں مذکور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دَم والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مذکور ہے کہ سب سے بہترین اُجرت وہ ہے جو کتاب اللہ پر لی جائے۔یہ فرمانِ نبوی نص ہے،جو اختلاف کو ختم کر رہی ہے،لہٰذا اس پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔''

(الجامع لأحكام القرآن «تفسير القرطبي» :335/1، دار الكتب المصريّة، القاهرة، 1964ء)

کیا یہ حقِ ضیافت تھا؟

بعض لوگ اس حدیث سے صریحاً ثابت ہونے والے مسئلے کا انکار کرنے کے لیے کہتے

ہیں کہ بکریاں دَم کی اُجرت کے طور پر نہیں بل کہ حقِ ضیافت کے طَور پر لی گئی تھیں، کیوں کہ انہوں نے ضیافت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

۞ پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسا کہنا رسول اللہ ﷺ کے واضح الفاظ کے صریحاً خلاف ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے صریح الفاظ میں نہ صرف قرآنِ کریم کی اُجرت کہا، بل کہ اسے بہترین اُجرت بھی قرار دیا۔

کئی دفعہ تکفیری جاہلوں سے پالا پڑا اور ہم نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کیوں نہ رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادِ گرامی سے کروالیا جائے؟ تم صرف ان الفاظ کا ترجمہ کر دو:

«إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ .»

لیکن بصد اصرار بھی وہ اس حدیث کا ترجمہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکے، بلکہ آئیں بائیں شائیں کرتے رہے۔اب انہی کی ایک کتاب سے اس حدیث کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

''سب سے زیادہ اُجرت لینے کے لائق اللہ کی کتاب ہے۔''

(کیا دینی اُمور پر اُجرت لینا جائز ہے؟ از فداء الرحمٰن، ص: 13، چک 135، ٹی ڈی اے، تحصیل وضلع لیہ)

یہی صاحب لکھتے ہیں:

''دین فروش علماء و مشائخ اپنے باطل ذریعۂ معاش کو حق ثابت کرنے کے لیے صحیح بخاری کی چند واقعاتی روایات کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔'' (ایضاً، ص: 11، 12)

ملاحظہ فرمائیں کہ جو لوگ امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام بخاری رحمہم اللہ سمیت سب اسلافِ امت کو دین فروش علما و مشائخ قرار دیں، اُن کی ایمانی حالت کیا ہو گی؟ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مذکورہ تمام ائمہ دین صحیح بخاری کی احادیث سے دینی اُمور پر اُجرت کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔

۞ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے کسی بھی طریق میں ایسا کوئی لفظ موجود

نہیں جس سے صحابہ کرام کا حق ضیافت کے طور پر بکریاں لینا ثابت ہوتا ہو۔اسلافِ امت میں سے بھی کسی نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔چودہ صدیوں بعد اَن پڑھ قسم کے لوگ اگر محدثین کرام کی توہین کرتے ہوئے ایسے راگ الاپیں تو یہ ان کی اپنی بدبختی ہے۔

۞ تیسری بات یہ ہے کہ اسلافِ امت اور فقہاے اسلام نے اسے دَم کی اُجرت ہی قرار دیا ہے،حقِ ضیافت نہیں۔اسلافِ امت کی مخالفت کوئی علمی کارنامہ نہیں۔

۞ اصل بات یہ ہے کہ اگر چہ اُن لوگوں نے حقِ ضیافت دینے سے انکار کیا تھا، لیکن صحابہ کرام نے اُن سے حقِ ضیافت نہیں،بل کہ دَم کا معاوضہ لیا تھا۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر کسی شخص نے آپ پر احسان کیا ہو تو آپ اس کا کام بلامعاوضہ بھی کر دیتے ہیں۔لیکن اگر کسی نے کسی مصیبت کے وقت میں باوجود قدرت کے آپ کے کام آنے سے انکار کر دیا ہو،اس کی ضرورت کے وقت آپ اپنا معاوضہ معمول سے زیادہ وصول کرتے ہیں۔

ایک حدیث سے استدلال :

بعض لوگ اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ نَّزَلْتُمْ بِقَوْمٍ، فَأُمِرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ؛ فَاقْبَلُوا، فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوا؛ فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ.»

''اگر تم کسی قوم کے پاس پڑاؤ ڈالو اور تمھیں مہمان کے شایانِ شان ضیافت مل جائے تو قبول کرلو،اگر وہ ایسا نہ کریں تو اُن سے حقِ مہمان (زبردستی) لو۔''

(صحيح البخاري، كتاب المظالم والغصب، باب قصاص المظلوم، رقم الحديث :2461)

اس حدیث سے استدلال کر کے کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر مذکورہ واقعہ میں صحابہ کرام نے بکریاں وصول کیں۔لیکن ایسا کہنا سراسر غلط ہے،کیوں کہ:

① اس حدیث پر عمل کی صورت میں تو صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک پر عمل کرتے ہوئے اُن لوگوں سے فوراً اور زبردستی حقِ ضیافت وصول کرتے۔اس کے لیے دَم کر کے بکریاں لینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔اگر اُن کے سردار کو موذی چیز نہ ڈستی تو کیا صحابہ کرام مذکورہ بالا فرمانِ نبوی کی (معاذ اللہ) مخالفت ہی کرتے!

② اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صحابہ کرام نے حقِ ضیافت ہی لیا تھا،قرآنِ کریم کی اُجرت نہیں،تو پھر نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوگا،جو آپ نے یہ واقعہ سننے کے بعد ارشاد کیا کہ قرآنِ کریم پر لی جانے والی اُجرت سب سے بہترین ہوتی ہے؟جب نبی اکرم ﷺ اسے قرآن کی اُجرت قرار دے رہے ہیں تو کسی اُمتی کا اسے حق ضیافت قرار دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

③ ویسے بھی نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی عام ہے اور یہ واقعہ خاص۔اگر بالفرض بکریاں حق ضیافت بھی تھیں،تو نبی اکرم ﷺ کا فرمان قرآنِ کریم کی اُجرت کو جائز قرار دے رہا ہے،جو کہ ہمارے لیے واضح دلیل ہے۔

❁ حافظ،ابوعبداللہ،محمد بن احمد بن عثمان،ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

فَأَجَابَ أَصْحَابُنَا ---- حَقُّ الضَّيْفِ لَازِمٌ، وَلَمْ يُضَيِّفُوهُمْ، ---، قُلْتُ : إِنَّمَا نَأْخُذُ بِعُمُومِ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ، وَقَدْ قَالَ : «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُم عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ .»

”ہمارے(بعض)اصحاب نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ ---حقِ ضیافت فرض تھا،لیکن انہوں نے ضیافت نہ کی۔---میں کہتا ہوں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے عمومی فرمان پر عمل کریں گے،نہ کہ خاص سبب پر۔نبی اکرم ﷺ نے (عمومی طور پر) فرمایا:

بلاشبہ سب سے بہترین چیز جس پر تُم اُجرت لے سکتے ہو، وہ کتاب اللہ ہے۔''

(تنقيح التحقيق في أحاديث التعليق : 132/2، دار الوطن، الرياض، 2000ء)

④ اگر عدل و انصاف کا خون اور اسلافِ امت کی تکذیب کرتے ہوئے بزورِ تاویل اس حدیث میں معاوضے کو حقِ ضیافت قرار دے بھی لیا جائے تو سیدنا علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا کیا ہو گا، جو چند سطور بعد پیش کی جارہی ہے؟ انہوں نے بھی دَم کے معاوضے میں ایک سَو بکریاں لیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دَم ہی کی اُجرت قرار دیتے ہوئے خلعتِ جواز پہنائی۔ انہوں نے تو نہ حق ضیافت طلب کیا نہ لوگوں نے انہیں دینے سے انکار کیا!

یہ معاوضہ کافروں سے لیا گیا تھا!

جب تکفیریوں سے کوئی جواب نہیں بَن پڑتا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ معاوضہ تو کافروں سے لیا گیا تھا اور تمہارے اہل علم تو مسلمانوں سے دینی اُمور پر اُجرت لیتے ہیں۔

یہ جواب دیتے وقت انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود اپنے جال میں پھنس رہے ہیں۔ ایسا کہہ کر وہ خود یہ ثابت کر رہے ہوتے ہیں کہ کافروں سے دینی اُمور پر اُجرت لینا جائز ہے، حالاں کہ جب یہ لوگ دینی اُمور پر اُجرت کی حرمت کا استدلال کرتے ہیں تو سب سے پہلے وہ آیات سناتے ہیں جن میں انبیاے کرام نے کافروں سے کہا: ہم تم سے اس تبلیغ دین پر کسی اُجرت کا سوال نہیں کرتے۔

گویا اِس حدیث کو ردّ کرنے کے لیے وہ اپنے ہی پیش کردہ قرآنی تقاضے کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس کا کیا جواب ہے ان لوگوں کے پاس؟

دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں دَم پر سو بکریاں لینے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے حق و جائز قرار دینے کا ذکر ہے، اس میں دَم کرانے والے لوگ

مسلمان ہی تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دینی تعلیم کو خیر قرار دیا تھا۔ملاحظہ فرمائیں؛

(ب) ایک مجنون کو دَم :

❀ خارجہ بن صلت رحمہ اللہ اپنے چچا، صحابیٔ رسول، علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ، سے بیان کرتے ہیں :

إِنَّهُ أَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَقْبَلَ رَاجِعًا مِّنْ عِنْدِهٖ، فَمَرَّ عَلٰى قَوْمٍ؛ عِنْدَهُمْ رَجُلٌ مَّجْنُونٌ مُّوثَقٌ بِالْحَدِيدِ، فَقَالَ أَهْلُهٗ : إِنَّا قَدْ حُدِّثْنَا أَنَّ صَاحِبَكُمْ هٰذَا قَدْ جَاءَ بِخَيْرٍ، فَهَلْ عِنْدَهٗ شَيْءٌ يُّدَاوِيهِ؟ قَالَ : فَرَقَيْتُهُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ [قَالَ وَكِيعٌ :] ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، كُلَّ يَوْمٍ مَّرَّتَيْنِ، فَبَرَأَ، فَأَعْطَوْنِي مِائَةَ شَاةٍ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرْتُهٗ، فَقَالَ : «خُذْهَا، فَلَعَمْرِي مَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةِ بَاطِلٍ، لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةِ حَقٍّ .»

''وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے (اور مسلمان ہو گئے)، پھر واپس لوٹے تو ایک قوم کے پاس سے گزرے۔ان کے ہاں ایک پاگل شخص تھا، جسے لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔اس کے گھر والوں نے کہا : ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا یہ ساتھی دینی تعلیم لے کر آیا ہے۔کیا اس کے پاس کوئی ایسا دَم ہے، جس سے یہ اس کا علاج کر سکے؟ وہ صحابی کہتے ہیں : میں نے اسے تین دن سورۂ فاتحہ کا دَم کیا۔روزانہ (صبح و شام) دو مرتبہ (اپنی تھوک جمع کر کے پھونک دیتا تھا)۔وہ شفایاب ہو گیا۔اس پر انہوں نے مجھے سَو بکریاں دیں۔میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا سنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بکریاں لے لیجیے۔مجھے قسم ہے، جو لوگ باطل پر مبنی دَم کر کے کماتے ہیں (آپ

ان میں سے نہیں)، یقیناً آپ نے تو حق پر مبنی دَم کر کے کمایا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 155/36، رقم الحديث : 21835، مؤسّسة الرسالة، بيروت، 2001ء؛ سنن أبي داوٗد، كتاب الطبّ، باب كيف الرقى؟، رقم الحديث : 3896، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (6110) **نے ''صحیح''، جب کہ امام حاکم** (1/159-160) **اور حافظ نووی** (الاذکار: 1/355) رحمہما اللہ **نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔**

فقہائے امت کا فیصلہ :

① **مشہور فقیہ ومحدث، امام ابوداود، سلیمان بن اشعث، سجستانی** رحمہ اللہ (202-275ھ) **نے اس حدیث کو** كتاب البيوع (**خرید وفروخت کی کتاب**) **اور** أبواب الإجارة (**اُجرتوں کے بیانات**) **میں ذکر کر کے اس پر یوں باب قائم کیا ہے:**

بَابٌ فِي كَسْبِ الْأَطِبَّاءِ .

''**طبیبوں کی کمائی کا بیان۔**''

② **امام ابن حبان** رحمہ اللہ **نے ان الفاظ میں باب قائم کیا ہے:**

ذِكْرُ إِبَاحَةِ أَخْذِ الرَّاقِي الْأُجْرَةَ عَلٰى رُقْيَتِهٖ .

''**دَم کرنے والے کے لیے اپنے دَم پر اُجرت لینے کے جواز کا بیان۔**''

(صحيح ابن حبّان : 474/13، مؤسّسة الرسالة، بيروت، 1988ء)

③ **حافظ، محمد بن عبد الواحد، ضیاء الدین، مقدسی** رحمہ اللہ (569-643ھ) **نے بھی اسے** كتاب البيوع (**خرید وفروخت کا بیان**) **ہی میں ذکر کیا ہے اور ان کا باب یہ ہے:**

بَابُ أَجْرِ الرَّاقِي .

''**دَم کرنے والے کی اُجرت کا بیان۔**''

(السنن والأحكام عن المصطفٰى عليه أفضل الصلاة والسلام : 470/4، دار ماجد العسيري، المملكة العربيّة السعوديّة، 2004ء)

④ مشہور حنفی، علامہ، ابو محمد، محمود بن احمد، عینی (762-855ھ) دینی اُمور پر اُجرت کے مخالف ہونے کے باوجود، اس حدیث کو ذکر کر کے لکھتے ہیں :

وَيُسْتَنْبَطُ مِنْهُ أَحْكَامٌ؛ جَوَازُ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلَى الْقُرْآنِ.

''اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآنِ کریم پر اُجرت لینا جائز ہے۔''

(نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار : 357/16، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، قطر، 2008ء)

ج) قرآنِ کریم کي تعلیم بطور حق مہر :

❀ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ : إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : «مَا لِي فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ»، فَقَالَ رَجُلٌ : زَوِّجْنِيهَا، قَالَ : «أَعْطِهَا ثَوْبًا»، قَالَ ؛ لَا أَجِدُ، قَالَ : «أَعْطِهَا؛ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ»، فَاعْتَلَّ لَهٗ، فَقَالَ : «مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟»، قَالَ : كَذَا وَكَذَا، قَالَ : «فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.»

''نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا : مجھے (مزید) عورتوں میں کوئی رغبت نہیں۔ایک صحابی نے عرض کیا : اس

عورت سے میری شادی کر دیجیے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اسے (حق مہر میں) کوئی کپڑا دے دیجیے۔اس نے عرض کیا: میرے پاس کپڑا نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کوئی چیز ضرور دیجیے،خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔اس نے پھر معذرت کر لی تو آپ ﷺ نے فرمایا:آپ کو قرآن کتنا یاد ہے؟اس نے عرض کیا:فلاں فلاں سورت۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے آپ کے ساتھ اس عورت کی شادی اس قرآن کے عوض کر دی ہے جو تمہیں یاد ہے۔''

(صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه، رقم الحديث : 5029؛ صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن ـــ، رقم الحديث : 1425)

فقھاے امت کي رائے :

① امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے کیا ثابت کرنا چاہتے تھے،اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ مُتَّفَقٌ عَلٰى إِخْرَاجِهٖ مِنْ طُرُقٍ عَدِيدَةٍ، وَالْغَرَضُ مِنْهُ أَنَّ الَّذِي قَصَدَهُ الْبُخَارِيُّ أَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ تَعَلَّمَ الَّذِي تَعَلَّمَهٗ مِنَ الْقُرْآنِ، وَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعَلِّمَهٗ تِلْكَ الْمَرْأَةَ، وَيَكُونَ ذٰلِكَ صَدَاقًا لَّهَا عَلٰى ذٰلِكَ، وَهٰذَا فِيهِ نِزَاعٌ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ، وَهَلْ يَجُوزُ أَنْ يُّجْعَلَ مِثْلُ هٰذَا صَدَاقًا؟ أَوْ هَلْ يَجُوزُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ؟ وَهَلْ هٰذَا كَانَ خَاصًّا بِذٰلِكَ الرَّجُلِ؟ وَمَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : «زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ»؟ أَبِسَبَبِ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟ كَمَا قَالَهٗ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ : نُكْرِمُكَ بِذٰلِكَ أَوْ بِعِوَضِ مَا مَعَكَ، وَهٰذَا أَقْوٰى، لِقَوْلِهٖ فِي صَحِيحِ

مُسْلِمٍ : «فَعَلِّمْهَا»، وَهٰذَا هُوَ الَّذِي أَرَادَهُ الْبُخَارِيُّ هَاهُنَا .

''یہ حدیث کئی سندوں سے صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ تھا کہ اس صحابی نے قرآنِ کریم کی کچھ سورتیں سیکھی ہوئی تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ سورتیں اس عورت کو سکھانے کا حکم فرمایا۔یہی سورتیں اس نکاح میں ان کا مہر بن گئیں۔اس بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے کہ کیا اس جیسی چیز کو حق مہر بنایا جا سکتا ہے؟یا قرآنِ کریم کی تعلیم پر اُجرت لی جا سکتی ہے؟ کیا یہ معاملہ اسی صحابی کے ساتھ خاص تھا؟ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ میں نے یاد کیے ہوئے قرآن کی وجہ سے اس عورت سے آپ کا نکاح کر دیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کے سبب سے یہ نکاح ہوا؟ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اس قرآن کی وجہ سے آپ کو تکریم دیتے ہیں۔یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس قرآن کے عوض ؟یہی عوض والا معنیٰ زیادہ قوی ہے، کیوں کہ صحیح مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنی بیوی کو یہ سورتیں سکھاؤ(اگر تکریم والا معاملہ ہو تو سکھانے کے حکم کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا۔اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بطورِ حق مہر تھا)۔یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کی یہی مراد ہے۔''(تفسير القرآن العظيم :68/1، دار طيبة للنشر والتوزيع، 1999ء)

② امامِ مدینہ، مالک بن انس رحمہ اللہ (93-179ھ) کے بارے میں ہے :

فِي الَّذِي أَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّنْكِحَ بِمَا مَعَهٗ مِنَ الْقُرْآنِ؛ أَنَّ ذٰلِكَ فِي أُجْرَتِهٖ عَلٰى تَعْلِيمِهَا مَا مَعَهٗ .

''اس صحابی کے بارے میں، جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یادقرآن کے عوض نکاح کا حکم فرمایا تھا،امام موصوف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ قرآن سکھانا (حق مہر کے لیے)بطورِ اُجرت تھا۔''(التمهيد لما في المؤطّأ من المعاني والأسانيد لابن عبد البرّ :120/21، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب، 1387هـ، وسندهٗ حسنٌ)

③ امام شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاحْتَجَّ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي جَوَازِ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْخَيْرِ بِحَدِيثِ التَّزْوِيجِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ.

''امام شافعی رحمہ اللہ نے دینی تعلیم پر اُجرت لینے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں قرآنِ کریم کی تعلیم پر شادی کرنے کا ذکر ہے۔''

(مختصر خلافیات للبیهقي لأبي العبّاس الشافعيّ : 172/4، مكتبة الرشد، الرياض، 1997ء)

④ خود امام، ابوبکر، احمد بن حسین، بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) فرماتے ہیں:

وَحَدِيثُ الْمُزَوَّجَةِ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ؛ دَلِيلٌ فِيهِ.

''قرآنِ کریم کی تعلیم کے عوض نکاح والی حدیث دینی اُمور پر اُجرت کے جواز کی دلیل ہے۔'' (السنن الکبرٰی : 205/6، دار الكتب العلميّة، بيروت، 2003ء)

(ی) اذان کي اُجرت کا جواز:

❀ صحابیٔ رسول، سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

خَرَجْتُ فِي نَفَرٍ، فَكُنَّا بِبَعْضِ طَرِيقِ حُنَيْنٍ؛ مَقْفَلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُنَيْنٍ، فَلَقِيَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ، فَأَذَّنَ مُؤَذِّنُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعْنَا صَوْتَ الْمُؤَذِّنِ وَنَحْنُ عَنْهُ مُتَنَكِّبُونَ، فَظَلِلْنَا نَحْكِيهِ وَنَهْزَأُ بِهِ، فَسَمِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّوْتَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْنَا حَتّٰى وَقَفْنَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «أَيُّكُمُ الَّذِي سَمِعْتُ صَوْتَهُ قَدِ ارْتَفَعَ؟»، فَأَشَارَ الْقَوْمُ إِلَيَّ

وَصَدَقُوا، فَأَرْسَلَهُمْ كُلَّهُمْ وَحَبَسَنِي، فَقَالَ: «قُمْ، فَأَذِّنْ بِالصَّلَاةِ»، فَقُمْتُ، فَأَلْقٰى عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّأْذِينَ هُوَ بِنَفْسِهٖ، ـــ، ثُمَّ دَعَانِي حِينَ قَضَيْتُ التَّأْذِينَ، فَأَعْطَانِي صُرَّةً فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ فِضَّةٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مُرْنِي بِالتَّأْذِينِ بِمَكَّةَ، فَقَالَ: «أَمَرْتُكَ بِهٖ»، فَقَدِمْتُ عَلٰى عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ؛ عَامِلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ، فَأَذَّنْتُ مَعَهٗ بِالصَّلَاةِ عَنْ أَمْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''میں ایک قافلے کے ساتھ سفر پر نکلا۔ہم حُنَین کے ایک راستے پر تھے، جہاں سے رسول اللہ ﷺ حُنَین سے واپسی پر گزر رہے تھے۔اسی راستے میں رسولِ اکرم ﷺ ہم سے ملے۔آپ کے مؤذن نے ادھر نماز کے لیے اذان کہی۔ہم نے مؤذن کی آواز سنی تو اِس سے مُتَنَفِّر تھے۔ہم مذاق میں اس کو دوہرانے لگے۔رسول اللہ ﷺ نے یہ آواز سنی تو ہمیں بلا بھیجا، یہاں تک کہ ہم آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کس کی آواز میں نے سب سے بلند سنی ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا اور انہوں نے سچ ہی کہا تھا۔آپ ﷺ نے سب کو واپس بھیج دیا، لیکن مجھے روک لیا اور فرمایا: اُٹھ کر نماز کے لیے اذان کہیے۔ میں کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے خود مجھے اذان کے کلمات پڑھائے۔ جب میں اذان مکمل کر چکا تو آپ ﷺ نے مجھے بلا کر ایک گٹھڑی عنایت فرمائی، جس میں کچھ چاندی تھی۔میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! حکم فرمایئے کہ میں مکہ میں اذان کہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے آپ کے بارے میں حکم کر دیا ہے۔میں مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے گورنر سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم مبارک سے اُن کے ساتھ نماز کی اذان کہی۔''

(مسند الإمام أحمد : 98/24، مؤسّسة الرسالة، بيروت، 2001ء؛ سنن النسائي، كتاب الأذان، باب كيف الأذان، رقم الحديث : 632، واللّفظ لهٗ؛ سنن ابن ماجه، كتاب الأذان والسنّة فيه، رقم الحديث : 708؛ وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (379) اور امام ابن حبان (1680) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں اذان کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے چاندی دینے کا ذکر ہے۔

❁ امام، ابو بکر، احمد بن حسین، بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) نے اس حدیث کو مؤذن کی اُجرت کے جواز کی دلیل بنایا ہے۔

(السنن الکبرٰی :631/1، دار الکتب العلمیّة، بیروت، 2003ء)

شاید کوئی اس استدلال سے اختلاف کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عنایت کی گئی چاندی کو تالیفِ قلب قرار دے، لیکن مذکورہ صریح دلائل کی روشنی میں اذان کی اُجرت کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

یاد رہے کہ بغیر اُجرت مؤذن مقرر کرنے والی جس حدیث سے بعض لوگوں نے دینی اُمور پر اُجرت کے ناجائز وحرام ہونے کا استدلال کیا ہے، اسلافِ امت وفقہاے اسلام نے اسے بھی کراہت پر محمول کیا ہے، حرمت پر نہیں، کیوں کہ اس میں حرمت والا کوئی اشارہ بھی نہیں۔

وہ حدیث اور اس کے حوالے سے اسلافِ امت کا فہم ملاحظہ فرمائیں :

❀ سیدنا عثمان بن ابو عاص ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي، قَالَ : «أَنْتَ إِمَامُهُمْ، وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ، وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَّا يَأْخُذُ عَلٰى أَذَانِهِ أَجْرًا .»

''میں نے عرض کیا : اللہ کے رسول! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : آپ اُن کے امام ہیں۔ ان کے کمزوروں کا خیال رکھیے اور ایسا مؤذن مقرر کیجیے جو اپنی اذان پر اُجرت نہ لے۔''

(مسند الإمام أحمد : 200/26، 235/29، مؤسّسة الرسالة، بیروت، 2001ء؛ سنن أبي

داوٗد، كتاب الصلاة، باب أخذ الأجر على التأذين، رقم الحديث : 531؛ سنن النسائي، كتاب الأذان، باب اتّخاذ المؤذن الذي لا يأخذ علٰى أذانه أجرا، رقم الحديث : 672؛ وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ (209) نے ''حسن''، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (423) نے ''صحیح''، اور امام حاکم رحمہ اللہ (715، 722) نے ''امام مسلم کی شرط پر صحیح'' قرار دیا ہے۔

حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔

(تنقيح التحقيق في أحاديث التعليق : 183/4، أضواء السلف، الرياض، 2007ء)

اس حدیث سے اذان اور دیگر دینی اُمور پر اُجرت کی حرمت قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ایسا مؤذّن مقرر کیجیے، جو اذان پر اُجرت نہ لے، واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ اذان پر اُجرت لینے والے لوگ اس دَور میں موجود تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کوئی وعید نہیں سنائی۔ اگر اذان پر اُجرت ناجائز وحرام ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حوالے سے صریح ہدایت فرماتے، کیوں کہ حرام کی قباحت وشناعت اتنی ہے کہ اس حوالے سے مبہم بات نہیں کی جاسکتی۔

یوں اس حدیث سے اذان کی اُجرت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہماری اپنی بنائی ہوئی بات نہیں، بل کہ اسلافِ اُمت اس حدیث سے یہی استدلال کرتے تھے، جیسا کہ؛

❀ علامہ، ابوجعفر، احمد بن محمد بن سلامہ، طحاوی رحمہ اللہ (238-321ھ) لکھتے ہیں :

فَقَالَ قَائِلٌ : فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مَا يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ أَخْذِ الْأَجْرِ عَلَى الْأَذَانِ.

''ایک کہنے والے نے کہا : اس حدیث کے الفاظ اذان پر اُجرت لینے کے جواز پر دلیل ہیں۔''(شرح مشكل الآثار : 263/15، مؤسّسة الرسالة، بيروت، 1994ء)

پھر موصوف نے فقہ حنفی کا دفاع کرتے ہوئے اس کے جواب میں دُور کی کوڑی لانے کی کوشش بھی کی ہے۔ بہر حال یہ تو ثابت ہوگیا ہے کہ اسلاف اسی حدیث سے اذان کی اُجرت کے جواز پر استدلال کرتے رہے ہیں۔

اکثر اہل علم نے اس حدیث کو کراہت پر محمول کیا ہے اور اُجرت نہ لینے کو بہتر قرار دیا ہے، لینے کو حرام نہیں کہا، جیسا کہ؛

❀ محدثِ شہیر، امام، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) اس حدیث

کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ؛ كَرِهُوا أَنْ يَّأْخُذَ الْمُؤَذِّنُ عَلَى الْأَذَانِ أَجْرًا، وَاسْتَحَبُّوا لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَّحْتَسِبَ فِي أَذَانِهٖ.

''اس حدیث پر اہل علم کے ہاں عمل کیا جاتا ہے۔اہل علم یہ ناپسند کرتے ہیں کہ مؤذّن اذان پر اُجرت لے۔وہ مؤذّن کے لیے یہ مستحب سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی اذان میں صرف نیکی کا ارادہ رکھے۔''

(سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يّأخذ المؤذّن على الأذان أجرا)

۞ حافظ،ابو محمد،حسین بن مسعود،بغوی رحمہ اللہ (م:516ھ) فرماتے ہیں:

وَالِاخْتِيَارُ عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَّحْتَسِبَ بِالْأَذَانِ، وَكَرِهُوا أَنْ يَّأْخُذَ عَلَيْهِ أَجْرًا.

''اکثر اہل علم کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ مؤذن،اذان سے صرف نیکی کا ارادہ رکھے۔وہ اذان پر اُجرت لینا ناپسند کرتے ہیں۔''

(شرح السنّة: 280/2، المكتب الإسلامي، بيروت، 1983ء)

۞ علامہ،عبد اللہ بن احمد،ابن قدامہ،مقدسی رحمہ اللہ (541-620ھ) اذان پر اُجرت کے ناپسندیدہ ہونے کے حوالے سے بعض اہل علم کے اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لِأَنَّهٗ عَمَلٌ مَّعْلُومٌ، يَجُوزُ أَخْذُ الرِّزْقِ عَلَيْهِ، فَجَازَ أَخْذُ الْأُجْرَةِ عَلَيْهِ، كَسَائِرِ الْأَعْمَالِ، وَلَا نَعْلَمُ خِلَافًا فِي جَوَازِ أَخْذِ الرِّزْقِ عَلَيْهِ.

''چونکہ یہ معلوم عمل ہے،لہٰذا اس پر اُجرت لینا جائز ہے،جیسے دیگر تمام اعمال پر اُجرت جائز ہے۔ہم نہیں جانتے کہ اذان پر اُجرت کے جائز ہونے میں کسی نے کوئی اختلاف کیا ہو۔''(المغني: 301/1، مكتبة القاهرة، 1968ء)

۞ علامہ ابو بکر،محمد بن عبد اللہ،ابن العربی رحمہ اللہ (468-543ھ) سے نقل کرتے ہوئے علامہ محمد عبد الرحمٰن محدث،مبارک پوری رحمہ اللہ (م:1353ھ) لکھتے ہیں:

اَلصَّحِيحُ جَوَازُ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلَى الْأَذَانِ، وَالصَّلَاةِ، وَالْقَضَاءِ، وَجَمِيعِ الْأَعْمَالِ الدِّينِيَّةِ.

''اذان، نماز، قضا سمیت دینی اُمور پر اُجرت کا جائز ہونا ہی صحیح (راجح) ہے۔''

(تحفة الأحوذي: 528/1، دار الكتب العلميّة، بيروت)

❁ معروف شارحِ حدیث، علامہ، حسین بن محمد، طیبی رحمہ اللہ (م: 743ھ) فرماتے ہیں:

قِيلَ: تَمَسَّكَ بِهِ مَنْ مَّنَعَ الِاسْتِئْجَارَ عَلَى الْأَذَانِ، وَلَا دَلِيلَ فِيهِ، لِجَوَازِ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ بِذٰلِكَ أَخْذًا بِالْأَفْضَلِ.

''ایک قول کے مطابق اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل لی ہے، جو اذان پر اُجرت کو ممنوع قرار دیتے ہیں، لیکن اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں، کیوں کہ عین ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم صرف افضلیت کو اختیار کرتے ہوئے دیا ہو۔''

(شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، المعروف بـ الكاشف عن حقائق السنن: 918/3، مكتبة نزار مصطفٰى الباز، الرياض، 1997ء)

❁ نیز فرماتے ہیں:

وَأَنْ يُّسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ التَّخْفِيفُ فِي الصَّلَاةِ، وَاسْتِحْبَابُ الْأَذَانِ بِغَيْرِ أُجْرَةٍ.

''امام کے لیے نماز میں تخفیف کرنا مستحب ہے، نیز اذان کو بغیر اُجرت کے کہنا بھی مستحب ہے۔'' (أيضًا)

❁ علامہ، محمد بن اسماعیل، امیر صنعانی رحمہ اللہ (1099-1182ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يَخْفٰى أَنَّهُ لَا يَدُلُّ عَلَى التَّحْرِيمِ.

''بہت واضح ہے کہ اس حدیث سے اذان کی اُجرت کا حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا۔''

(سبل السلام في شرح بلوغ المرام: 117/2، دار الحديث)

❁ علامہ، ابو الحسن، عبید اللہ بن محمد، مبارک پوری رحمہ اللہ (1327-1414ھ) فرماتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى التَّحْرِيمِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ، وَلَا يَخْفٰى أَنَّهُ لَا

يَدُلُّ عَلَى التَّحْرِيمِ .

''بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اذان کی اُجرت حرام ہے، لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ یہ حدیث اذان کی اُجرت کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔''

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : 375/2 ، الجامعة السلفيّة، بنارس، 1984ء)

یعنی اکثر علمائے امت کا اس حدیث کو حرمت کی بجائے کراہت پر محمول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اذان پر لی جانے والی اُجرت حرام نہیں، بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ کراہت ہے اور محض کراہت جواز ہی کی دلیل ہوتی ہے، جیسا کہ؛

❁ سینگی لگانے کی اُجرت کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ. »

''سینگی لگانے والے شخص کی کمائی خبیث (مکروہ) ہے۔''

(صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب، رقم الحديث : 1568)

❁ لیکن خود آپ ﷺ سے سینگی کی اُجرت دینا بھی ثابت ہے۔

حُمید تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ، فَقَالَ : احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ أَهْلَهُ، فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ، وَقَالَ : «إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ. »

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سینگی لگانے والے شخص کی کمائی کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی۔ آپ کو ایک غلام ابو طیبہ نے سینگی لگائی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے دو صاع غلہ دینے کا حکم فرمایا، نیز اس کے مالکوں سے بات کی تو انہوں نے اس کے خراج (طلب کی

جانے والی کمائی) میں کمی کر دی۔آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ تم علاج کے جتنے بھی طریقے اختیار کرتے ہو،ان میں سب سے بہترین سینگی لگانا ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب حلّ أجرۃ الحجامۃ، رقم الحدیث : 1577)

جب ایک اُجرت خبیث کہے جانے کے باوجود دوسرے دلائل کی بنا پر جائز ہو سکتی ہے تو جسے خبیث بھی نہیں کہا گیا،وہ دوسرے دلائل سے کیوں جائز نہیں ہوتی؟

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح سینگی لگانے کی اُجرت کے خبیث ہونے سے مراد ناجائز وحرام نہیں،بل کہ جائز مع الکراہت ہے،اسی طرح اذان کی اُجرت نہ لینے والے مؤذّن کی تقرری سے مراد بھی جائز مع الکراہت ہی ہے،بل کہ اس کی کراہت سینگی کی اُجرت سے کم بھی ہے،کیوں کہ اس پر کوئی حکم نہیں لگایا گیا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک روایت :

یحییٰ بکا بیان کرتا ہے :

كُنْتُ آخِذًا بِيَدِ ابْنِ عُمَرَ، وَهُوَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، فَلَقِيَهٗ رَجُلٌ مِّنْ مُّؤَذِّنِي الْكَعْبَةِ، فَقَالَ : إِنِّي لَأُحِبُّكَ فِي اللّٰهِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : وَإِنِّي لَأُبْغِضُكَ فِي اللّٰهِ، إِنَّكَ تُحَسِّنُ صَوْتَكَ لِأَخْذِ الدَّرَاهِمِ .

''میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔آپ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ کعبہ کا ایک مؤذّن آپ کو ملا۔اس نے کہا: میں آپ سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں۔ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے : میں تو اللہ کے لیے تم سے نفرت کرتا ہوں،کیوں کہ تم درہم لینے کی خاطر اپنی آواز کو خوب صورت بناتے ہو۔''

(الصلاۃ لأبي نعیم الفضل بن دُکَیْن، باب أخذ الأجرۃ علی الأذان، ص : 162، مکتبۃ الغرباء الأثریّۃ، المدینۃ المنوّرۃ، 1996ء، الکتاب المصنّف في الأحادیث والآثار لابن أبي شیبۃ :1/207، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1409ھ، واللفظ لہٗ)

یاد رہے کہ امام ابونعیم کی نقل کردہ روایت کے مطابق یحییٰ بکا نے بتایا ہے کہ وہ سعید بن

جبیر کا ہاتھ تھامے ہوئے طواف کر رہا تھا!

یحییٰ بن مسلم، بکا نامی راوی ''ضعیف'' ہے۔

(الكاشف للذهبي : 376/2، دار القبلة للثقافة الإسلاميّة، جدّة، 1992ء، تقريب التهذيب لابن حجر، ص : 597، دار الرشيد، سوريا، 1986ء)

(ھ) کتابتِ مصاحف اور ان کي خريد و فروخت :

دورِ قدیم میں مصاحف کی نقول تیار کرنے کے لیے کتابت کروائی جاتی تھی، موجودہ دَور میں ایک دفعہ کتابت اور پھر طباعت کروائی جاتی ہے۔اس میں بھی اُجرت دینی لینی پڑتی ہے، جب کہ نقول تیار ہونے کے بعد بھی خرید و فروخت کے مرحلے سے گزر کر ہی عوام الناس تک پہنچتی ہیں۔اس اُجرت کے جواز پر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مذکورہ احادیث سے دلیل لیتے ہوئے معروف فقیہ و محدث، حافظ، ابو سلیمان، حمد بن محمد، خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) فرماتے ہیں :

وَفِي الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ بَيْعِ الْمَصَاحِفِ وَأَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلٰى كَتْبِهَا، وَفِيهِ إِبَاحَةُ الرُّقْيَةِ بِذِكْرِ اللّٰهِ فِي أَسْمَائِهِ، وَفِيهِ إِبَاحَةُ أَجْرِ الطَّبِيبِ وَالْمُعَالِجِ، وَذٰلِكَ أَنَّ الْقِرَائَةَ وَالرُّقْيَةَ وَالنَّفَثَ فِعْلٌ مِّنَ الْأَفْعَالِ الْمُبَاحَةِ، وَقَدْ أَبَاحَ لَهٗ أَخْذَ الْأُجْرَةِ عَلَيْهَا، فَكَذٰلِكَ مَا يَفْعَلُهُ الطَّبِيبُ مِنْ قَوْلٍ وَّوَصْفٍ وَّعِلَاجٍ؛ فِعْلٌ، لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا .

''اس (دَم پر بکریاں لینے والی) حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مصاحف کی خرید و فروخت اور ان کی کتابت پر اُجرت لینا جائز ہے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بابرکت ناموں کو پڑھ کر دَم کرنا جائز ہے، نیز طبیب و معالج کی اُجرت کا بھی جواز ہے، کیوں کہ قراءت، دَم اور پھونک جائز ہیں اور آپ ﷺ نے ان کاموں پر اُجرت کو جائز قرار دیا ہے۔اسی طرح طبیب جو مشورے، (بیماری کی) تفصیلات اور علاج تجویز کرتے ہیں، وہ بھی فعل ہیں۔اِس فعل اور اُن افعال

میں کوئی فرق نہیں، جن پر رسولِ اکرم ﷺ نے اُجرت کو جائز قرار دیا۔''

(معالم السنن : 101/3، المطبعة العلميّة، حلب، 1932ء)

صحابه و تابعين كي متفقه رائے :

۞ امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

سَأَلْتُ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَجْرِ الْمُعَلِّمِ، فَقَالَ : أَرٰى لَهٗ أَجْرًا، قَالَ شُعْبَةُ : وَسَأَلْتُ الْحَكَمَ، فَقَالَ : لَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَّكْرَهُهٗ .

''میں نے معاویہ بن قرہ تابعی رحمہ اللہ سے معلّم کی اُجرت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں اس کے لیے اُجرت کو جائز سمجھتا ہوں۔میں (شعبہ) نے حکم بن عُتَیبہ تابعی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا : میں نے کسی بھی (صحابی یا تابعی) فقیہ کو اسے ناپسندیدہ کہتے نہیں سنا۔''

(مسند علي بن الجعد، الرقم : 1103-1105، مؤسّسة نادر، بيروت، 1990، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ خالد حذا تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

سَأَلْتُ أَبَا قِلَابَةَ عَنِ الْمُعَلِّمِ يُعَلِّمُ، وَيَأْخُذُ أَجْرًا، فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا

''میں نے ابو قلابہ عبداللہ بن زید تابعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ایک معلم تعلیم دے کر اُجرت لیتا ہے،تو (یہ ناجائز ہے؟)،لیکن انہوں نے اس میں کوئی حرج خیال نہیں کیا۔''

(المصنّف في الأحاديث والآثار : 340/4، الرقم : 20831، مكتبة الرشد، الرياض، 1409هـ، وسندهٗ صحيحٌ)

بعض اہل علم نے اُجرت نہ لینے کو اختیار کیا،تو اسے حرام سمجھنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ نہ لینے کو بہتر سمجھنے کی وجہ سے۔البتہ اسے حرام قرار دینے کا نظریہ صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک نے بھی اختیار نہیں کیا۔

تمام اهل سنت كا نظريه اور بعض احناف :

قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اہل سنت اتفاقی طور پر دینی اُمور پر اُجرت کو جائز کہتے

ہیں۔صرف متقدمین احناف اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

❁ شارحِ صحیح بخاری، حافظ، ابو الفضل، احمد بن علی بن محمد، ابن حجر، عسقلانی رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ نَقَلَ عِيَاضٌ جَوَازَ الِاسْتِئْجَارِ لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ عَنِ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً؛ إِلَّا الْحَنَفِيَّةَ.

''قاضی عیاض رحمہ اللہ نے قرآنِ کریم کی تعلیم پر اُجرت کا جائز ہونا تمام علمائے کرام سے نقل کیا ہے، سوائے احناف کے۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري: 213/9، دار المعرفة، بيروت، 1379هـ)

اور یہ متقدمین احناف بھی قرآنی دَم کی اُجرت لینا جائز سمجھتے ہیں، جیسا کہ؛

❁ علامہ، ابوجعفر، احمد بن محمد بن سلامہ، طحاوی رحمہ اللہ (238-321ھ) سے نقل کرتے ہوئے علامہ، عینی حنفی (762-855ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ: وَيَجُوزُ الْأَجْرُ عَلَى الرُّقٰى، وَإِنْ كَانَ يَدْخُلُ فِي بَعْضِهِ الْقُرْآنُ.

''امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دَم کی اُجرت لینا جائز ہے، اگرچہ بعض دَم قرآنِ کریم پر مشتمل ہوتے ہیں۔''

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري: 96/12، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

احناف كي حديث رسول سے نا انصافي!

ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ دینی اُمور پر اُجرت کے حوالے سے احناف نے صریح احادیث رسول اور اسلافِ امت کے فہم کی مخالفت تو کی ہی تھی، لیکن انہوں نے اپنے قیاس کی بنا ان نصوص سے بھی رُوگردانی کر لی، جو ان کے نزدیک دینی اُمور پر اُجرت کو حرام قرار دیتی ہیں۔ پھر جرأت دیکھیے کہ مفتیٰ بہا قول بھی اِسی کو قرار دیا۔ اُن کی ایک معتبر ترین کتاب سے یہ

حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

وَبَعْضُ مَشَايِخِنَا اسْتَحْسَنُوا الاِسْتِئْجَارَ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الْيَوْمَ، لِأَنَّهُ ظَهَرَ التَّوَانِي فِي الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ، فَفِي الاِمْتِنَاعِ تَضْيِيعُ حِفْظِ الْقُرْآنِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى.

''موجودہ دَور میں ہمارے بعض مشائخ نے قرآنِ کریم کی تعلیم پر اُجرت طلب کرنے کو مستحسن خیال کیا ہے، کیوں کہ دینی اُمور میں سستی ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہے اور اُجرت کو ممنوع قرار دینے میں حفظِ قرآن کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ اسی پر احناف کا فتویٰ ہے۔''

(الهداية في شرح بداية المبتدي للمرغيناني : 238/3، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

سوال یہ ہے کہ جب شریعت کی نصوص دینی اُمور پر اُجرت کو حرام قرار دیتی ہیں تو متأخرین احناف کو اسے اپنے قیاس سے حلال قرار دینے کا اختیار کس نے دیا؟ اور اگر دینی اُمور پر اُجرت شرعی نصوص کی روشنی میں جائز و حلال ہے تو متقدمین احناف کو اسے حرام کرنے کا مجاز کس نے بنایا؟

اگر متأخرین احناف نے امام ابوحنیفہ اور دیگر متقدمین احناف کی مخالفت میں دینی اُمور پر اُجرت کو حلال قرار دینا ہی تھا تو کاش وہ ان صحیح وصریح احادیث کو دلیل بناتے ہوئے ایسا کرتے، جن کی روشنی میں اسلافِ امت اور محدثین وفقہائے ملت نے دینی اُمور پر اُجرت کے جواز کا استدلال کیا تھا۔ مگر صد افسوس کہ انہوں نے اِن احادیث کی بھی مخالفت کی اور اُن کی بھی، جن سے اُن کے نزدیک دینی اُمور پر اُجرت ناجائز قرار پاتی تھی۔ یہ سب کچھ کیا کس برتے پر؟ صرف اور صرف قیاس کی بنا پر! یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ *

مذکورہ بحث سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اب امتِ مسلمہ کا کوئی بھی مکتبہ فکر دینی اُمور پر اُجرت کو حرام قرار نہیں دیتا، یعنی پوری اُمت کا اس کے جواز پر اجماع ہے۔ اب صرف ائمہ دین کو ''دین فروش، دوکان دار اور شکم پرور'' قرار دینے والے تکفیری حضرات ہی اسے حرام کہتے

ہیں۔ایسے لوگوں کی ہفوات کا کوئی اعتبار نہیں۔

تکفیریوں کا دوغلا پن :

ذرا دوغلا پن تو ملاحظہ فرمائیں کہ تکفیری لوگ دینی اُمور پر اُجرت لینے کو جائز نہیں سمجھتے، لیکن اکثر مواقع پر اُجرت دینے کو شاید واجب سمجھتے ہیں؟ کیوں کہ وہ اُجرت لینے پر تو دین داری، دوکان داری، شکم پروری وغیرہ کے طعنے دیتے ہیں، لیکن دینے کے حوالے سے کبھی بات نہیں کرتے، حالاں کہ اگر اذان پر اُجرت نہ لینے والے مؤذن کی تقرری والی حدیث اُن کی دلیل ہوتو پھر انہیں اُجرت دینے کو بھی کم از کم حرام ہی قرار دینا چاہیے۔

وہ خود دینی اُمور پر اُجرت دینے کے قائل و فاعل ہیں۔کیا وہ مصاحف خرید کر نہیں لاتے؟ اگر وہ کہیں کہ کسی نے مسجد کے لیے مصاحف وقف کیے ہیں تو بھی وہ خرید کر ہی لاتا ہے۔نیز ان کی کتابت و طباعت کے تمام مراحل پر اُجرت ادا کی گئی ہوتی ہے۔وہ اپنے نزدیک اس حرام کاروبار میں تعاون کیوں کرتے ہیں؟

مسجد کی تعمیر کو ہی دیکھ لیجیے کہ اینٹ، ریت، بجری، سریا وغیرہ سمیت عمارت کے لیے جو بھی لوازمات ہوتے ہیں، وہ سب کے سب اُجرت کے بغیر نہ بن سکتے ہیں، نہ کسی جگہ پہنچ سکتے ہیں۔یہ لوگ اِس ''دوکان داری'' اور ''دین فروشی'' میں کیوں شریک ہوتے ہیں؟

ذرا وہ اس بات پر بھی غور کریں کہ کیا اُن کے بچے سکولوں میں تعلیم حاصل نہیں کرتے؟ سکولوں میں جہاں دیگر مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے، وہیں اکثر ناظرۂ قرآن، ترجمہ قرآن اور ہر سکول میں اسلامیات کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔مساجد میں امام صاحبان کی اُجرت انہیں بہت تکلیف دیتی ہے اور وہ اس کے خلاف بہت آواز اُٹھاتے ہیں، لیکن کبھی انہوں نے سکولوں میں دینی تعلیم پر اُجرت کے خلاف احتجاجاً اپنے بچوں کو گھر بٹھا لیا ہو؟

اور تو اور دینی اُمور پر اُجرت کو حرام قرار دینے پر مبنی ان کا اپنا تحریری مواد ایک ''دینی امر'' پر اُجرت دے کر ہی کتابت و طباعت کے مراحل سے گزرتا ہے۔کیا کبھی اُنہیں ''دین فروشی'' کا حصہ بننے پر ذرا بھی شرمندگی ہوئی؟

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح

ابن الحسن محمدی

اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں، خواہ وہ ذمی ہوں یا حربی، ان سے نکاح جائز ہے، جیسا کہ؛

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْ اَخْدَانٍ﴾ (المائدة 5 : 5)

''تم سے پہلے اہل کتاب کی پاک دامن خواتین (تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں)، بشرطیکہ تم عقدِ زواج کی نیت سے ان کا مہر ادا کر چکے ہو، اعلانیہ زنا، یا پوشیدہ طور پر آشنائی کی نیت نہ ہو۔''

❁ ترجمانِ قرآن، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ : ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ قَالَ : فَحَجَزَ النَّاسُ عَنْهُنَّ، حَتّٰى نَزَلَتِ الَّتِي بَعْدَهَا : ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾، فَنَكَحَ النَّاسُ (مِنْ) نِّسَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ .

''جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (البقرة 2 :221) (تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں)، تو لوگ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے سے رُک گئے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (المائدة 5 : 5) (تم سے پہلے اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح جائز ہے)، تو لوگوں نے

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا شروع کر دیا۔"

(تفسیر ابن أبي حاتم، نقلاً عن تفسیر ابن کثیر: 42/3، وسندہ حسنٌ، ت: سلامة)

اہل کتاب کون ہیں؟

یاد رہے کہ اہل کتاب سے مراد صرف اہل تورات واہل انجیل ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلٰى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾

(الأنعام 6 : 156)

"(ہم نے قرآن اس لیے نازل کیا ہے) کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی۔"

لہٰذا عیسائیوں، یہودیوں کے علاوہ مجوسیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھ متوں اور دیگر کافر اقوام کی پاک عورتوں سے بھی نکاح قطعاً جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

صحابہ کرام اور کتابیّات سے نکاح :

❀ مشہور سنی مفسر و محدث، علامہ، حافظ، ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ تَزَوَّجَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ مِنْ نِّسَاءِ النَّصَارٰى وَلَمْ يَرَوْا بِذٰلِكَ بَأْسًا، أَخْذًا بِهٰذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ : ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾، فَجَعَلُوا هٰذِهِ مُخَصِّصَةً لِّلْآيَةِ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ : ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾، إِنْ قِيلَ بِدُخُولِ الْكِتَابِيَّاتِ فِي عُمُومِهَا، وَإِلَّا فَلَا مُعَارَضَةَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهَا؛ لِأَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ يُفْصَلُ فِي ذِكْرِهِمْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى : ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتّٰى

﴿تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ (البينة 98: 1)، وكَقَوْلِهِ: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّيْنَ ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (آل عمران 3: 20).

''صحابہ کرام کی ایک جماعت نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیے ہیں اور اس میں کوئی حرج خیال نہیں کیا۔اگر اہل کتاب کی عورتوں کو سورہ بقرہ کی آیت: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں) کے عموم میں داخل سمجھا جائے تو صحابہ کرام نے انہیں اس آیت سے خاص سمجھا: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی،ان کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو)۔اگر اہل کتاب کی عورتوں کو سورۂ بقرہ والی آیت کے عموم میں داخل نہ سمجھا جائے تو دونوں آیات میں کوئی معارضہ ہے ہی نہیں۔کیوں کہ اور بھی بہت سی آیات میں عام مشرکین سے اہل کتاب کو الگ بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ (البيّنة 98: 1) (جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے وہ [کفر سے] باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔) نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّيْنَ ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (آل عمران 3: 20) (اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بیشک ہدایت پالیں گے)۔''

(تفسير ابن كثير: 42/3، ت: سلامة)

❀ امام اہل سنت،ابوعبداللہ،احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں:

مُشْرِكَاتُ الْعَرَبِ الَّذِينَ يَعْبُدُونَ الْأَوْثَانَ.

''اس سے مراد مشرکین عرب کی عورتیں تھیں جو کہ بتوں کے پجاری تھے۔''

(تفسیر ابن کثیر :584/1)

❁ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

تَزَوَّجَ طَلْحَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَهُودِيَّةً .

''سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیا۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 172/7، وسندهٗ حسنٌ)

❁ عبداللہ بن عبدالرحمان انصاری اشہلی تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

إِنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ نَكَحَ يَهُودِيَّةً .

''سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیا۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 172/7، وسندهٗ حسنٌ)

❁ ابو وائل شقیق بن سلمہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

تَزَوَّجَ حُذَيْفَةُ يَهُودِيَّةً، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ : خَلِّ سَبِيلَهَا، فَكَتَبَ إِلَيْهِ : أَتَزْعُمُ أَنَّهَا حَرَامٌ، فَأُخَلِّيَ سَبِيلَهَا؟ فَقَالَ : لَا أَزْعُمُ أَنَّهَا حَرَامٌ، وَلٰكِنْ أَخَافُ أَنْ تَعَاطَوُا الْمُومِسَاتِ مِنْهُنَّ .

''سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیا،تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف خط لکھا کہ آپ اس سے علیحدگی اختیار کر لیں۔سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا: کیا آپ اسے حرام خیال کرتے ہیں،اس لیے علیحدگی اختیار کرلوں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اسے حرام تو خیال نہیں کرتا،البتہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم بدکار یہودی عورتوں سے نکاح نہ کرلو۔''

(تفسیر الطبري : 366/4، مصنّف ابن أبي شيبة : 157/4/2، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو''صحیح''کہا ہے۔

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا مِنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى طَرِيقِ التَّنْزِيهِ وَالْكَرَاهَةِ .

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام تنزیہی اور کراہت کی بنا پر تھا۔''

(السنن الكبرىٰ : 280/7، دار الكتب العلميّة، بيروت، 2003ء)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو جَعْفَرِ بْنُ جَرِيرٍ رَّحِمَهُ اللّٰهُ، بَعْدَ حِكَايَتِهِ الْإِجْمَاعَ عَلٰى إِبَاحَةِ تَزْوِيجِ الْكِتَابِيَّاتِ : وَإِنَّمَا كَرِهَ عُمَرُ ذٰلِكَ، لِئَلَّا يَزْهَدَ النَّاسُ فِي الْمُسَلَّمَاتِ، أَوْ لِغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعَانِي .

''امام ابوجعفر بن جریر رحمہ اللہ نے کتابیہ کے ساتھ نکاح مباح ہونے پر اجماع نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صرف ناپسند کیا ہے، تاکہ لوگ مسلمان عورتوں کی طرف بے رغبتی کا مظاہرہ نہ کریں، یا اس کے علاوہ کوئی اور مصلحت بھی ہوسکتی ہے۔''(تفسير ابن كثير :583/1)

تنبیه :

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 157/4/2، وسندهٔ حسنٌ)

دراصل سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت والی آیت کو عام سمجھتے تھے، اہل کتاب کی عورتوں کو اس سے خاص نہیں کرتے تھے، جبکہ باقی تمام صحابہ کرام اس آیت سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیتے تھے اور یہی بات عین صواب ہے۔

امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ اہل کتاب کی حربی عورتوں سے نکاح ناجائز سمجھتے تھے۔

(مصنف ابن أبي شيبة : 158/4/2، وسندهٔ صحيحٌ)

لیکن حربی یا غیر حربی کی کوئی قید نہ کتاب وسنت میں مذکور ہے، نہ صحابہ کرام نے بیان کی۔

الحاصل: اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے جائز ہے، خواہ حربی ہوں یا ذمی، واللہ تعالیٰ اعلم!